حسن عسکری کی تنقید میں حالی کے مباحث

عبدالشکور شاکر
اسسٹنٹ پروفیسر اُردو
گورنمنٹ کالج، سیٹلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالا

HALI IN THE CRITICISM OF HASAN ASKARI

Abdul Shakoor Shakir
Assistant Professor of Urdu
Govt. College Satellite Town, Gujranwala

Abstract

Hasan Askari is a modern critic, translator and fiction writer. He has expressed his specific views on the poetry and criticism of Hali. He has discussed Hali in an extraordinary way, because his thinking and attitude towards Hali is not formal and imitative, but is patriarchal. Instead of following Hali blindly, Askari has invalidated his popular literary ideas. Hali is a moderate, while Askari is a rigid critic. Hali evaluates and suggests the western literature as an imitable model for innovation and development of oriental literature, Askari imposes a condition of cultural sensibility on it and also wants to retrieve the eastern tradition in oriental literature. Moreover, Hali advocates the slogan of Art for Life sake, while Askari believes in Art for Art's sake. The article presents briefly Haliyat of Askari.

Keywords

مولانا حالی، وحید قریشی، حسن عسکری، اردو، تنقید نگاری، غزل گوئی، مسدس مدوجزرِ اسلام

محمد حسن عسکری کی بہت سی ادبی حیثیتیں ہیں، وہ نقاد بھی ہیں اور مضمون نگار بھی؛ مترجم بھی ہیں اور افسانہ نگار بھی۔ موصوف اردو کے صفِ اول کے نقادوں میں شمار کیے جاتے ہیں، جو اَدب برائے ادب کے قائل ہیں۔ ان کے مضامین میں تاثراتی ونفسیاتی تنقید کے متنوع رنگ جھلکتے ہیں۔ ان کا چراغ مشرقی ومغربی روشنی سے مستنیر ہے۔ حسن عسکری نے متنوع ادبی موضوعات پر لکھا ہے۔ انھوں نے اپنے تنقیدی تبصروں، مقالوں اور افسانوں کے ذریعے مغرب کے جدید تنقیدی افکار وتصورات سے اہلِ اردو کو روشناس کیا ہے۔ اردو انتقادِ ادبیات کے ساتھ ساتھ عالمی ادب پر بھی ان کی گہری نظر ہے۔ خصوصاً انگریزی وفرانسیسی ادبیات سے براہِ راست واقفیت ہے۔ اس کا ثبوت ان کے تراجم اور تنقیدی مضامین سے ملتا ہے۔ تاہم وہ مغرب کی خامیوں اور قباحتوں سے بھی بخوبی آشنا ہیں، جن کا نقشہ انھوں نے اپنی کتاب 'جدیدیت یا مغربی گمراہیوں کی تاریخ کا خاکہ' میں مؤثر انداز میں کھینچا ہے۔ حسن عسکری انگریزی ادب کے استاد ہونے کے ناتے انگریزی تعلیم وتہذیب کے روشن پہلوؤں کے ساتھ ساتھ تاریک پہلوؤں کو بھی جانتے ہیں۔ انھوں نے اپنے علمی ذوق اور بصیرت کے مطابق مثبت خصائص سے استفادہ کیا جب کہ منفی پہلوؤں کو اجاگر کر کے ہدفِ تنقید بنایا؛ نیز ترقی پسندی اور جدیدیت کے پردے میں پوشیدہ خرابیوں کا پردہ چاک کیا۔ وہ ادب میں عصری تقاضوں کے تحت 'خذ ما صفا ودع ما کدر' کے قائل ہیں۔ ان کا طرزِ فکر اور طرزِ اظہار جدت وانفرادیت کا آئینہ دار ہے، جس کی بدولت انھیں تنقید میں خصوصی امتیاز حاصل ہے۔

حسن عسکری نے مغربی ناقدین سے چند بنیادی اصول اور امتیازات اخذ کر کے ایک معیارِ نقد وضع کیا اور اسی کے مطابق اردو ادب کی جانچ پرکھ کی اور حسن وقبح کو نمایاں کیا۔ اردو تنقید میں حسن عسکری کے دو امتیازی کام ہیں: اول ترقی پسند نظریے کے خلاف مسلسل جدوجہد، دوم اردو میں خالص قومی ادب کی تشکیل وتعمیر کی دعوت۔ ان دونوں مقاصد کی پیش رفت میں انھیں گردوپیش سے بہت الجھنا پڑا اور اس طرح تنقیدی بحث ومذاکرہ کے لیے ایک فضا پیدا کی۔ ان کا ایک اہم کام یہ بھی ہے کہ وہ ادب کو ایک مرتبہ پھر فرد کے مطالبات کے قریب لائے ہیں اور اجتماعیت کے استیلائے عام سے بچا کر اس میں انفرادی جذبات کے لیے بھی گنجائش نکالی ہے۔(۱)

حسن عسکری نے جہاں دیگر موضوعات پر لکھا؛ وہاں حالؔی کی تنقید نگاری، غزل گوئی اور نظم نگاری پر بھی مخصوص خیالات کا اظہار کیا ہے۔ عسکری کی حالیات سے دلچسپی غیر معمولی ہے۔ ان کی تحریروں میں شاعری موضوعِ بحث ہو یا تنقید، ان کی تان اکثر حالی پر آ کر ٹوٹتی ہے کیونکہ حالی نے جن ادبی افکار وتصورات کی اشاعت کی، وہی عسکری کا تنقیدی مبحث بنے۔ حالؔی ایک صاحبِ طرز ادیب، قومی شاعر، سوانح نگار اور اولین نقاد ہیں؛ لہٰذا اُن پر بہت کچھ لکھا گیا۔ ان کے عہد وما بعد عہد میں ان کی سوانح نگاری، قومی شاعری اور تنقیدی

افکار کا مطالعہ ہر نقاد کی ترجیح بن گیا۔حسن عسکری نے بھی حالی کومشرقی ومغربی تنقید کے اصولوں کی روشنی میں موضوعِ بحث بنایا ہے،جس سے فکرونظر کے چند نئے دریچے واہوئے اور چند پیچیدہ ادبی مسائل کی گرہ کشائی بھی ہوئی ہے۔حسن عسکری نے اپنی مشہور کتاب 'انسان اور آدمی' میں مولانا حالی علیہ الرحمہ کی ہندوستانی عورت کی زبوں حالی پرتصنیف شدہ طویل نظم 'مناجاتِ بیوہ' پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے اور اپنی دوسری تالیف 'ستارہ یا بادبان' میں 'بھلا مانس غزل گو'، 'استعارے کا خوف' اور 'پیرویِ مغربی کا انجام' کے عنوانات کے تحت حالی کی غزل اور انتقادیات پر اپنے تنقیدی شعور کے مطابق روشنی ڈالی ہے،جس کی بدولت کسی قدر نئے مباحث بھی سامنے آئے اور ان کے تنقیدی شعور کی کچھ نئی جہتیں بھی نمایاں ہوئی ہیں۔ان کا ایک مضمون 'مقدمہ شعروشاعری' کے عنوان سے بھی ہے جو انھوں نے ڈاکٹر وحید قریشی کی طرف سے 'مقدّمہ شعروشاعری' کے مرتبہ خصوصی نسخے کے مکتبہ جدید لاہور کے زیر انتظام ۱۹۵۳ء میں شائع ہونے پر تحریر کیا تھا۔زیر تحریر مقالے میں متذکرہ موضوع کے تحت اولاً حسن عسکری کے تنقیدی مضمون 'حالی کی مناجاتِ بیوہ' کا اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے جو ان کی غیر معمولی تنقیدی بصیرت اور منفرد تجزیاتی روش پر مبنی ہے۔

حالی کی مناجاتِ بیوہ (مشمولہ: انسان اور آدمی)

'مناجاتِ بیوہ' مولانا حالی کی ہندوستان میں حقوقِ نسواں کے موضوع پر لکھی ہوئی اردو کی اوّلین شہکار نظم ہے جو بقول شیخ اسماعیل پانی پتی ،۱۸۸۶ء یا ۱۸۸۷ء کی تصنیف ہے۔یہ بے نظیر نظم حالی کی بہترین نظموں میں سے ہے اور خود انھیں اس پر بجا ناز تھا۔آج تک کوئی شخص ہندوستان کی بدنصیب بیوہ کے جذبات وخیالات کو اس روانی وخوبصورتی کے ساتھ نظم نہیں کرسکا،جیسا حالی نے کیا۔مسدس کے بعد شہرت کے لحاظ سے اگرچہ مناجات بیوہ کا دوسرا درجہ ہے مگر زبان کی سلاست،مصرعوں کی بندش،خیالات کی روانی اور اثر ودرد کے لحاظ سے 'مسدسِ حالی' اس مثنوی تک مشکل ہی سے پہنچ سکتی ہے۔دس سے زیادہ زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔(۲) رام بابو سکسینہ نے بھی اسے اپنی تاریخ میں 'مسدس مدوجزرِ اسلام' سے برتر اور مطبوعِ خلائق کہا ہے کیونکہ یہ نظم اپنے موضوع اور اسلوب کے لحاظ سے اردو ادبیات میں جدت وندرت کی حامل ہے۔بیسیوں ناقدین نے مذکورہ نظم پر تبصرے کیے ہیں،لیکن سب سے مفصل مضمون بیگم صالحہ عابد حسین نے اپنی کتاب 'یادگارِ حالی' میں لکھا ہے۔اس پر ایک جامع تبصرہ حسن عسکری کا لکھا ہوا بھی ہے،جس میں انھوں نے ان ان پہلوؤں سے بھی نقاب کشائی کی ہے جو دوسروں کی نظر سے پوشیدہ رہ گئے۔حسن عسکری کا نظم کا تحلیل وتجزیہ کرنے کا انداز سب سے الگ ہے،پیرایۂ بیان بھی جداگانہ ہے۔انھوں نے اپنے جامع نقطۂ نظر کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

''عام آدمی کی عام زندگی کے جتنے پہلو ہو سکتے ہیں، ان سے واقفیت رکھنے اور اس واقفیت کو

شاعرانہ طور سے استعمال کرنے کی جیسی صلاحیت حاؔلی میں ملتی ہے، ویسی میؔر کے علاوہ کسی اور اُردو شاعر میں نظر نہیں آتی۔ کم سے کم یہ مضمون لکھتے ہوئے مجھے کسی ایسے شاعر کا نام یاد نہیں آ رہا، جسے اس باب میں حاؔلی پر فوقیت دی جا سکے....حاؔلی نے عام زندگی کے مظاہر کو شاعر کے غم و نشاط دونوں قسم کے اعلیٰ ترین تجربات کے ساتھ سمونے کی کوشش کی ہے۔ حاؔلی کا تخیل اس انداز کا نہیں تھا، جس کے عمل سے شاعرانہ تجربات بذاتِ خود زندگی کی ایک نئی تشکیل بن جاتے ہیں۔ اس لیے ان کے تخیل کو اتنی مہلت ملی ہے کہ وہ زندگی کی تفصیلات پر ٹھہر سکے، شاعر کے چھوٹے بڑے تجربات سے ان تفصیلی عناصر کا موازنہ کرے اور ان دونوں کو ایک دوسرے کی مدد سے واضح کرے اور سمجھے۔ یہ صلاحیت حاؔلی کے تغزل کا لازمی جزو ہے لیکن چونکہ غزل کے برخلاف نظم میں اتنے شدید ارتکاز کے بغیر بھی کام چل جاتا ہے لہٰذا یہ صلاحیت ان کی نظموں میں زیادہ بین طور پر نمایاں ہوئی ہے اور نظموں میں بھی اتنی سادگی و پُرکاری سے کہیں ظاہر نہیں ہوئی جتنی مناجاتِ بیوہ میں....خالص ادبی تخلیق کے نقطہ نظر سے غور کریں تو 'مناجاتِ بیوہ' ہلکی نہیں نکلے گی بلکہ اس میں بعض ایسی تخلیقی صفات ملیں گی جو 'مسدس' میں ڈھونڈنے سے بھی دستیاب نہیں ہو سکتیں۔ 'مناجاتِ بیوہ' کے پہلے دو تین صفحے ہمیں حاؔلی کے ادبی مزاج کے بارے میں ایک ایسی لازمی بات بتاتے ہیں جسے سمجھے بغیر ہم حاؔلی کی کسی بھی تخلیق کی انسانی اور ادبی معنویت کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے....'مناجاتِ بیوہ' کے پہلے تین صفحوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک مطلق اور مجرد تصور کی حیثیت سے وہ خدا پر غور نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے لیے خُدا سے مراد تھی، خُدا اور انسان کا درمیانی رشتہ.... چنانچہ مناجاتِ بیوہ میں انھوں نے خدا کا جو تصور پیش کیا ہے، وہ ایک مہربان گو ذرا سخت گیر باپ کے تصور سے زیادہ قریب ہے۔ حاؔلی کو انسانی زندگی سے ایسا شدید تعلق ہے کہ خدا پر غور کرتے ہوئے بھی اسے نہیں بھول سکتے۔''(۳)

عسکری نے نظم کے تجزیے میں اولاً حالی کے عام زندگی کے ہمہ جہت شعور کو شاعرانہ طور پر استعمال کرنے اور عام زندگی کے مظاہر کو المیہ تجربات میں سمونے سے بحث کی ہے، پھر شاعرانہ تخیل کا زندگی کی تفصیلات سے ارتباط واضح کیا ہے، بعدہٗ نظم کے ادبی محاسن بیان کیے ہیں۔ علاوہ ازیں اسی تجزیے میں حسن عسکری نے ایک جوان بیوہ کی کیفیات و واردات اور اعتقاد کی مناسبت سے حاؔلی کے پیش کردہ تصورِ خدا سے بھی بحث کی ہے اور بحث کے بعد نظم کے موضوع و اسلوب پر اس طرح سے تبصرہ کیا ہے:

''بیوہ کے رنج و غم کے مختلف پہلو ہو سکتے ہیں مگر حاؔلی نے خصوصیت کے ساتھ جس چیز پر زور دیا ہے، وہ یہ ہے کہ دُنیا میں عام عورتیں جس طرح کی زندگی بسر کرتی ہیں، وہ بیوہ کو حاصل نہیں ہو سکی، گویا حاؔلی کے نزدیک زندگی کی تکمیل اس بات میں ہے کہ آدمی دوسرے آدمیوں کی سی زندگی بسر کر سکے اور زندگی کی جتنی گونا گوں سرگرمیاں ہیں، ان میں حصہ لے سکے۔ بیوہ کی واردات انھی معنوں میں المیہ بنتی ہے خصوصاً اس وجہ

سے اور بھی کہ بیوہ کے احساسِ محرومی کو عام انسانی زندگی کے تنوع اور رنگارنگی کے مقابل پیش کیا گیا ہے۔ یہاں حالؔی کی فنّی ذکاوت دیکھنے کے قابل ہے۔ زندگی کے تنوع کا نقشہ انھوں نے براہ راست نہیں کھینچا۔ کمال کی بات تو یہ ہے کہ عام زندگی کی وسعت اور گہما گہمی کا احساس انھوں نے تشبیہوں، استعاروں بلکہ محاوروں کے ذریعے پیدا کیا ہے....حالؔی نے انسانی زندگی کو براہِ راست بیان کرنے کی کوشش نہیں کی لیکن ان میں سے ہر شعر کے پیچھے اس زندگی کا احساس تڑپ رہا ہے، جسے ایک عام آدمی زندگی سمجھتا ہے اور جسے حاصل کر کے اسے تسکین ملتی ہے......عام زندگی سے ہم آہنگی ،قربت اور رفاقت کا جو احساس حالؔی کے مزاج کا بنیادی عنصر تھا، اس نظم میں کھل کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہاں ہم اسے صرف ایک لطیف جوہر یا زبانی فضا کی شکل میں نہیں دیکھتے بلکہ یہ زندگی کے مناسبات ومتعلقات پر صرف ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ خیال حالؔی کی ناصحانہ نظموں میں بڑی فراوانی سے ملے گا کہ فرد کی تکمیل اجتماعی زندگی میں حصہ لینے ہی سے ہوتی ہے؛ لیکن ''مناجاتِ بیوہ'' میں یہ خیال ایک زرّیں اصول کی حیثیت سے پیش نہیں کیا گیا بلکہ اس کا نامیاتی عمل ٹھوس جذباتی تجربات کی شکل میں دکھایا گیا ہے۔ یہ نظم حالؔی کی فنی اور شعری صلاحیت کا ایک اہم عنصر سامنے لاتی ہے۔''(۴)

زیر مطالعہ مضمون میں بیان کردہ مباحث سے متعدد نکات کا استخراج ہوتا ہے، مثلاً:

- حالی انسانی زندگی کے متنوع پہلوؤں سے واقف ہیں اور اس واقفیت کو شاعرانہ طور پر بروئے کار لانے پر مکمل قادر ہیں۔
- مولانا حالی نے زندگی کے مظاہر کو نشاط وغم کے تجربات میں سمونے کی کوشش کی ہے۔
- حالی نے جس المیے کو بنیاد بنا کر یہ نظم لکھی وہ نوجوان بیوہ کے احساسِ محرومی کا عام سماجی زندگی کے تنوع سے موازنہ ہے۔

حالی نے بیوہ اور عام عورت کے تقابل سے بتایا ہے کہ جیسی زندگی شادی شدہ عورتیں گزارتی ہیں، ویسی بیوہ کو حاصل نہیں۔

- یہ نظم عام زندگی سے ہم آہنگی ،قربت اور رفاقت کے احساس سے عبارت ہے۔
- فرد کی تکمیل اجتماعی زندگی کی گوناگوں سرگرمیوں میں شریک ہونے سے ہے۔
- اس نظم میں حالی نے شاعر اور عام انسانی زندگی کے درمیان رشتے کا تعین کیا ہے۔
- حالی نے انسانی حیات کو براہِ راست بیان کرنے کی بجائے تشبیہات واستعارات اور محاورات کو ذریعۂ اظہار بنایا ہے۔
- مناجاتِ بیوہ تخلیقی صفات کے لحاظ سے حالی کی اعلیٰ نظموں میں شمار ہوتی ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔

الحاصل حسن عسکری نے حالؔی کی نظم کے موضوع پر تاثراتی پیرایے میں نفیس تبصرہ کیا ہے اور اس

تبصرے میں انھوں نے عائلی المیے کے نتیجے میں وقوع پذیر شخصی تجربے کو ہندوستان کے فرسودہ سماجی نظام سے منسلک کیا ہے؛ وہیں سائنسی انداز میں نظم کے اسلوب کا تجزیہ بھی پیش کیا ہے اور اس تجزیے میں انھوں نے پیرایۂ اظہار کو نظم کی امتیازی خصوصیت اور حالی کی شاعرانہ انفرادیت قرار دیا ہے۔

مقدمہ شعروشاعری (مشمولہ: تخلیقی عمل اور اسلوب)

''مقدمہ شعروشاعری'' الطاف حسین حالیؔ کی ایک رجحان ساز تالیف ہے جو اُردو میں تنقید کا نقش اوّل ہے۔ اوّلاً یہ تصنیف 'دیوانِ حالیؔ' کے مقدمہ کے طور پر ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد اس کی آزاد اور جامع و مکمل حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے ناشرین نے اسے الگ کتابی شکل میں شائع کیا اور اس وقت سے لے کر اب تک یہ الگ کتابی صورت ہی میں چھپتی رہی اور قارئین ایک جداگانہ کتاب کی حیثیت ہی میں اس کا مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ بہت سے لوگوں کے لیے وہ دیوان کا مقدمہ نہیں بلکہ ایک باقاعدہ تنقیدی کتاب ہے، جس کی بنیاد پر حالیؔ کو اردو کا پہلا باقاعدہ نقاد تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ 'مقدمہ' ان کے مربوط اور مبسوط خیالات کا آئینہ ہے۔ اگر ان کے تصورات میں خامیاں ہیں تو وہ بھی یہیں ملیں گی اور اگر خوبیاں ہیں تو ان کی جستجو بھی یہیں کی جاسکے گی۔ (۵) اسی غرض سے حسن عسکری نے مقدمہ کا غیر رسمی انداز میں مطالعہ کیا ہے۔ عسکری کا مضمون انتقادیاتِ حالیؔ پر خاص زاویۂ فکر سے روشنی ڈالتا ہے۔ ان کا یہ مضمون وحید قریشی کے مرتبہ مقدمہ شعروشاعری کی اشاعتِ خاص (۱۹۵۳ء) پر ایک تبصرہ ہے جو اولاً ماہنامہ ساقی، جلد ۴۹، شمارہ ۵، مئی ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا تھا۔ یہی مضمون 'تخلیقی عمل اور اسلوب' مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۹ء اور 'عسکری نامہ' مطبوعہ سنگِ میل لاہور ۱۹۹۸ء میں بھی شامل ہے۔ حسن عسکری نے مقدمہ شعروشاعری کی اشاعت کے بعد اس پر تحریر ہونے والے تبصروں، مقالوں اور دیگر تحریروں کے حوالے سے اسے بذاتِ خود ایک مقدمہ قرار دیا ہے۔ اس کے بعد مزید تبصرہ کرتے ہوئے اپنے مضمون میں لکھا ہے:

> ''اس کتاب میں اردو شاعری پر کچھ بجا اور بے جا اعتراضات کیے گئے۔ اس لیے اس کے شائع ہوتے ہی چاروں طرف سے ایک شور برپا ہوگیا اور حالیؔ کے خیالات اور ذات دونوں پر حملے ہونے لگے۔ اعتراض کرنے والے جو کچھ کہہ رہے تھے، کم سے کم میں تو اس کی تائید ہی کروں گا۔ لیکن حالیؔ نے جس غرض سے اُردو شاعری کی بُرائی کی تھی، وہ بات معترضین کی سمجھ میں نہیں آئی۔'' (۶)

مندرجہ اقتباس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ حسن عسکری، مقدمہ شعروشاعری میں مولانا حالیؔ کے بیان کردہ خیالات و تصورات سے اختلاف رکھتے ہیں، تاہم وہ معترضین کے مکمل ہم زبان بھی نہیں۔ گو حسن عسکری نے ان کی جزوی تائید کا عندیہ ظاہر کیا ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ مولانا حالیؔ کے افکار و خیالات

ان کی فہم سے بالاتر ہیں۔یعنی جن حالات میں اور جس نقطۂ نظر سے حالؔی نے اردو شاعری میں موجود معائب کی نشان دہی کر کے تنقید کی، معترضین نے بالعموم انھیں اپنے پیش نظر نہیں رکھا۔ناقدین نے ایک خاص ادبی سیاق وسباق، مخصوص تناظر اور اس کے تقاضوں ہی کا لحاظ کیا نہ حالؔی کی تنقید کی غرض وغایت ہی کو کچھ قابلِ اعتنا جانا۔ بریں بنا ان سے بعض لغزشیں سرزد ہوئیں اور ان کی اختلافی تاویلات نے ماحول میں تلخی پیدا کر دی۔اس وقت کی تنقید نقطۂ انتہا پر نظر آتی ہے۔

عسکری مزید لکھتے ہیں کہ مقدمہ شعروشاعری کے متعلق بہت سے لوگوں کی یہ رائے قائم ہوئی کہ ایسی کتاب اردو تو اردو، دنیا کی کسی اور زبان میں بھی دستیاب نہیں۔بعض ادبا نے ان کی تنقید کو شاعری سے بھی وقیع تر قرار دیا۔مثلاً مہدی افادی نے کہا کہ میرے ذہن میں حالؔی کی عظمت دیوانِ حالؔی کے اس حصے سے ہے جو مقدمہ شعروشاعری کے طور پر لکھا گیا۔صرف یہی نہیں بعض ادبا نے تو حالی کے افکار کو دہرا دہرا کر نئی تنقیدی کتابیں لکھ ڈالیں۔حالؔی کے خیالات ذہنوں میں اس طرح سرایت کر گئے تھے کہ نئے ادبا کو اس کتاب سے ہٹ کر کچھ سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی تھی۔۱۹۲۶ء میں نیاادب کی تحریک کے زیراثر جدید افکار واسالیب کے آنے سے حالؔی کی مقبولیت میں اور اضافہ ہوگیا حتیٰ کہ انھیں جدت پسند اور ادب کی سماجی افادیت کے ترجمان ہونے کے سبب نئے ادب کا پیش رو اور مقتدا مان لیا گیا۔اس صورت حال پر حسن عسکری مزید تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اگر حالؔی کی تنقید کے بارے میں کسی نے سوچ سمجھ کر رائے دی ہے تو کلیم الدین احمد اور فراق صاحب نے۔مثلاً فراق صاحب نے کہا ہے، حالؔی ایک حساس عقلیت کا پیغمبر ہے اور اس میں عقلیت کا تمام زور اور عقلیت کی کمزوریاں موجود ہیں۔غرض چاہے ہم حالؔی کی کتاب کو قبول کریں چاہے رڈ کردیں، پچھلے ساٹھ سال سے یہ کتاب دلچسپی کا مرکز بنی رہی ہے۔کلیم الدین احمد نے کہا ہے کہ اگر اس کتاب کو خضرِ راہ سمجھا جائے تو اردو ادب میں کسی قسم کی ترقی ممکن نہیں۔ یہ رائے بالکل درست ہے، لیکن اردو ادب کی ترقی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم ان غلطیوں کو سمجھیں جو اس کتاب کے بارے میں آج تک ہوتی چلی آئی ہیں....ہمیں دیکھنا ہے کہ یہ کتاب ایک خاص زمانے میں کس غرض سے لکھی گئی، اس کے پیچھے کونسی تحریک کام کر رہی تھی اور اس کتاب نے پچھلے ساٹھ سال کے اردو ادب پر اچھا یا برا کس قسم کا اثر ڈالا۔ہماری ساٹھ سال کی ادبی اور ذہنی تاریخ اس کتاب سے متعلق ہے، اس کو سمجھے بغیر ہمارے ادب کی ترقی ممکن نہیں۔''(۷)

مقتبس آرا سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ مولانا حالؔی کے تنقیدی افکار کا ان کے تاریخی پس منظر میں مطالعہ کیا گیا ہے نہ صحیح طور پر سمجھا گیا ہے مگر ادبی ترقی کے لیے مقدمہ کے متعلق ہونے والی ان غلطیوں کو سمجھنے کی

ضرورت ہے۔ ثانیاً یہ کہ 'مقدمہ' کے مباحث اردو شاعری کے مزاج اور روایت کے عکاس نہیں سو ناقدین کے بعض اعتراضات بجا ہیں اور ثالثاً حالی کے افکار میں شعر کی سماجی افادیت کو اہم مانتے ہوئے ادب برائے زندگی کی ترجمانی کی گئی ہے؛ لہٰذا ایسے اختلافی مباحث کی بنا پر عسکری مقدمہ شعروشاعری کی مسلمہ تنقیدی حیثیت کے باوجود اسے ادبی ترقی کے خلاف کہیں مقام تعجب نہیں۔ ان امور کے علاوہ زیر بحث مضمون سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عسکری مقدمہ کو مستقل ادبی دستور العمل ماننے کے منکر جبکہ اردو تنقید کے ارتقائی مطالعے میں اس کی تاریخی اہمیت کے قائل ہیں۔

بھلامانس غزل گو (مشمولہ: ستارہ یا بادبان)

مولانا حالی کی غزل گوئی پر حسن عسکری کا تحریر کردہ یہ مقالہ خاصا مدلل اور جامع ہے جو ان کی کتاب 'ستارہ یا بادبان' میں اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسی عنوان سے ایک جامع مقالہ عبدالباری عباسی کا بھی ہے جو احوال ونقد حالی میں شامل ہے۔ اس کی بنیاد رسکن (John Ruskin) کا ایک قول ہے۔ عسکری مرحوم نے بھی اسی قول سے اپنے مقالے کا آغاز کیا ہے، لہٰذا دونوں میں کچھ مماثلتیں بھی ہیں اور کچھ امتیازات بھی۔ تاہم الفضل للمتقدم کے مصداق حسن عسکری کا مقالہ نسبتاً زیادہ اہم ہے۔ عسکری کا زاویۂ فکر اور طرزِ تنقید دیگر ناقدین کی تنقیدی روش سے مختلف ہے۔ وہ عموماً کسی مشہور مفکر یا نقاد کے قول سے زیر بحث موضوع کا آغاز کرتے ہیں؛ تاہم تبصرہ کرنے کے بعد نتائج اپنے طرزِ مطالعہ اور تنقیدی شعور کی بنیاد پر مرتب کرتے ہیں۔ یہاں اسی روش پر چلتے ہوئے انھوں نے تخلیق فن کے متعلق رسکن کا ایک فلسفیانہ قول نقل کرنے کے بعد حالی کی غزل گوئی پر پُرمغز تبصرہ کیا ہے۔ نقل کرتے ہیں کہ ''رسکن کو عمر بھر یہ ثابت کرنے کی دھن رہی کہ اچھا فن پیدا کرنے کے لیے آدمی کو پرہیزگار اور پاکیزہ ہونا چاہیے''۔ (ص ۲۲۶)

اس معروف قول کی روشنی میں حسن عسکری، حالی کی غزل کا ادب میں جائز مقام ومرتبہ متعین کرنے کے لیے ان کی شخصیت کا دیگر اردو شعرا کے شخصی کردار سے موازنہ ومقابلہ اوران کے اسلوب کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے اس طرح سے رائے زن ہیں:

> ''اپنے اُردو شاعروں ہی کو دیکھ لیجیے، ہر آدمی کی کوئی نہ کوئی کل ٹیڑھی ضرور نکلے گی۔ بس ایک حالی ہیں جو ہر طرح دُھلے دھلائے نظر آتے ہیں لیکن اس کے باوجود انھوں نے بڑی شاعری نہ سہی تو اچھی شاعری تو کی ہے۔ صرف 'مسدسِ حالی' اور 'مناجاتِ بیوہ' والی شاعری نہیں؛ بلکہ غزل میں بھی غالب، مومن اور شیفتہ سے عقیدت کے باوجود انھوں نے ایک الگ لب ولہجہ، ایک الگ طرزِ احساس پیدا کر کے دکھایا ہے۔'' (۸)

مزید توضیح میں عسکری نے اس تصور سے بحث کی ہے کہ خیر وشر یا دو متخالف عناصر کی باطنی آویزش تخلیقِ فن کا ذریعہ ہے۔ عسکری نے اس تصور کے تحت حالی کی غزل کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ گو حالی ایک سادہ اور راست باز آدمی ہیں مگر ان کی شاعری میں جہاں زہد واتقا اور سادگی کے عناصر ہیں؛ وہاں رندی اور مکروفن کے عناصر بھی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ان کا اعتراف بھی موجود ہے۔ عسکری کا کہنا کہ ادب نہ تو محض تقوی سے پیدا ہوتا ہے، نہ محض فسق و فجور سے، بلکہ ان دونوں کی جنگ فن کار کے لیے مفید ہوتی ہے۔ اسی آویزش نے حالؔی سے غزل کہلوائی ہے۔ حالؔی کے شعر کی حقیقت جاننا ہے تو اسی کشمکش اور آویزش کا مطالعہ کرنا پڑے گا جو حالؔی کے باطن میں برپا عقل وعشق کی جنگ سے عبارت ہے۔ حالؔی کی شخصیت کا ایک حصہ عشق کو قبول کرتا ہے اور عقل کو ردّ؛ جبکہ دوسرا حصہ عقل کو قبول کرتا ہے اور عشق کو ردّ۔ یہی آویزش حالی کے تذبذب اور تشکک کا سرچشمہ ہے اور اسی باطنی آویزش نے انھیں شاعر بنادیا ہے۔

واضح ہو کہ حسن عسکری ایک وسیع المطالعہ ادیب ونقاد ہیں۔ انھوں نے مشرق ومغرب کے ادبیات کا کثیر مطالعہ کررکھا ہے اور اسی کی روشنی میں انھوں نے حالؔی کی شاعری اور 'مقدمہ شعروشاعری' کا جامع تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ حسن عسکری نے زیرتبصرہ مضمون میں غزلیاتِ حالی کے مضامین، اسلوب اور ان ترکیبی عناصر سے بحث کی ہے، جن سے ان کی غزل کا خمیر تیار ہوا۔ انھوں نے حالؔی کی غزل کا نفسیاتی مطالعہ کیا ہے اور اس مطالعے میں انھوں نے دوسرے ناقدین کی روش کے برخلاف غزلیاتِ قدیم وجدید کی تقسیم کا لحاظ مقدم نہیں رکھا۔ شروع سے لے کر آخر تک ان کے پیش نظر حالؔی کا ذہنی مطالعہ اور نفسی تجزیہ ایک ترجیحی امر رہا ہے۔ حسن عسکری نے زیرتبصرہ مضمون میں کہیں کہیں حالؔی کے مزاج اور احوال کا میرؔ وغالبؔ کے مزاج اور احوال سے اور حالی کے کلام کا ان کے کلام سے موازنہ بھی کیا ہے۔ کہیں حالؔی کی میرؔ وغالبؔ سے فکری وفنی مماثلتیں تلاش کی ہیں اور کہیں تینوں کے باہمی فرق وامتیاز کو ان کی شاعری کی انفرادیت قرار دیا ہے۔ چونکہ عسکری نفسیات سے شغف رکھتے ہیں؛ چنانچہ انھوں نے نفسیاتی جہات سے حالؔی کی غزل کا مطالعہ کیا ہے۔ حالؔی کی غزلوں میں جو دو متخالف سوچوں اور جذبوں کے دھارے موجزن رہے ہیں، انھی کو حسن عسکری نے تخلیقی تناظر میں موضوعِ بحث بنایا اور نتیجے میں حالؔی کو عظیم ترین تو نہیں البتہ ایک اچھا غزل گو شاعر قرار دیا ہے۔ تاہم ان کے اصلاحی رجحان اور ادب میں سماجی افادیت کے تصور کو غزل کے صنفی تقاضوں اور ترقی کے خلاف ٹھہرایا ہے۔

استعارے کا خوف (مشمولہ: ستارہ یا بادبان)

ستارہ یا بادبان میں شامل یہ مقالہ بھی بہت وقیع ہے، جس سے حسن عسکری کی علمِ بیان کے متعلق گہری واقفیت کا انکشاف ہوتا ہے۔ عسکری نے اس میں استعارے کی معنویت اور ضرورت واہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کا موقف ہے کہ استعارے کے اندر معانی کی کئی دنیائیں آباد ہیں، جن کی دریافت تخلیق کار

کا کام ہے۔اسے سادہ و بیانیہ پیرایۂ اظہار اختیار کرنے کی بجائے اپنی سوچوں اور جذبوں کو استعاروں کے سانچے میں ڈھال کر پیش کرنا چاہیے کیونکہ ان کے استعمال سے شعر کی معنویت میں اضافہ ہوتا ہے۔اس اہم مقالے میں جہاں استعارے کے متعلق روایتی امور زیر بحث لائے گئے؛ وہاں شعر و بلاغت کے حوالے سے چند نئے لسانی پہلو بھی اجاگر کیے گئے ہیں۔دراصل یہ مضمون استعارے کا توسیعی مطالعہ ہے؛ جس کی اساس مقدمہ شعر و شاعری میں استعارہ کے بیان شدہ مباحث پر رکھی گئی ہے۔مولانا حالی اردو شاعری کے روایتی مضامین اور مروجہ اسالیب کے خلاف تھے جو اپنی فرسودگی اور تصنع کے سبب زاید المیعاد ہو چکے تھے۔وہ شعر میں معنوی و صوری ہر دو جہات سے قدامت کی جگہ جدت اور صنعت کی جگہ فطرت کا رنگ پیدا کرنے کا مطالبہ کرتے تھے۔ان کے خیال میں ادب کو دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق بنانے کی اشد ضرورت تھی؛ چنانچہ انھوں نے چند اصلاحی تجاویز پیش کیں، جنھیں بعض ادبا نے قبول کیا اور بعض نے مسترد کر دیا۔حالی نے مقدمہ میں اردو شاعری کی اصلاح و ترقی کے ضمن میں تکلف و تصنع اور ابہام سے احتراز پر زور دیا، جب کہ نئے مضامین اور جدت آمیز اسالیب کے استعمال پر اصرار کیا۔اسی سیاق و سباق میں علم بیان کے چند امور بھی زیر بحث آئے ،مثلاً تشبیہ، استعارہ، تمثیل اور کنایہ۔حالی ان عناصر کی کلام میں معنوی وسعت ، لطافت اور جادوئی تاثیر کی بدولت،ان کی افادیت کے قائل ہیں۔اسی لیے ان کا واضح موقف ہے:

> ''استعارہ بلاغت کا ایک رکن اعظم ہے اور شاعری کو اس سے وہی نسبت ہے جو قالب کو روح کے ساتھ۔کنایہ اور تمثیل کا حال بھی استعارہ ہی کے قریب قریب ہے ۔یہ سب چیزیں شعر میں جان ڈالنے والی ہیں۔جہاں اصل زبان کا قافیہ تنگ ہو جاتا ہے وہاں شاعر انھیں کی مدد سے اپنے دل کے جذبات اور دقیق خیالات عمدگی کے ساتھ ادا کر جاتا ہے اور جہاں اس کو اپنا منتر کارگر ہوتا نظر نہیں آتا؛ وہاں اِنھیں کے زور سے لوگوں کے دلوں کو تسخیر کر لیتا ہے۔''(۹)

حالی استعارے کے فطری و بلیغ ہونے اور شعر میں موقع محل کے مطابق فن کارانہ استعمال کا تقاضا کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک دور از کار استعاروں کے غیر موزوں استعمال سے ابہام پیدا ہوتا اور شعر چیستان بن جاتا ہے۔یہ موقف بجا ہے، مگر حسن عسکری نے حالی کے مباحث سے مختلف نتائج کا استخراج کیا ہے۔انھیں حالی کے استعارے کے متعلق بعید الفہم اور قریب الفہم کی توضیحی بحث سے اختلاف ہے، کیونکہ یہ امر اُن کے نزدیک کور ذوقی اور کم فہمی پر مبنی ہے جو استعارے کے عام استعمال میں مانع ہے۔اسی جہت سے انھوں نے کچھ بجا اور کچھ بے جا اعتراضات عاید کیے ہیں۔ان کے اعتراض کرنے کا انداز طنزیہ و جارحانہ ہے:

''حالی کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل زبان الگ چیز ہے، استعارہ الگ چیز....ان جیسے نقادوں کی تنگ نظرانہ عقل پرستی اور احتیاط پسندی نے اردو والوں کے دل میں استعارے کا خوف پیدا کر دیا.... جو شخص یا جو جماعت استعارے سے ڈرتی ہے، وہ دراصل زندگی کے مظاہر اور زندگی کی قوتوں سے ڈرتی ہے، جینے سے گھبراتی ہے....استعارے میں یہ سوال نہیں ہوتا کہ وہ منطق کی حد میں یا قرینِ قیاس ہے یا نہیں۔ دیکھنے کی بات یہ ہوتی ہے کہ استعارے کا خالق ان مختلف عناصر سے کتنا ربط قائم کر سکا ہے اور انھیں آپس میں حل کر کے ایک نئی اور معنی خیز وحدت کی تشکیل کر سکا ہے یا نہیں۔ یہ روکھے پھیکے مضمون کو مزیدار بنانے کا معاملہ نہیں....آدمی چاہے نظم لکھ رہا ہو، چاہے نثر؛ اگر وہ تخلیق کرنا چاہتا ہے تو اندرونی دنیا اور بیرونی دنیا دونوں کو قبول کیے بغیر اور ان دونوں کو آپس میں سموئے بغیر چارہ نہیں اور اس کا نتیجہ ہوتا ہے استعارے کی پیدائش۔ استعارہ تو انسانی تجربے کی نسوں میں سے رستا ہے۔ یہ عقل وقل کی بات نہیں۔ جس طرح صحت مند آدمی یا صحت کا متلاشی خواب دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا؛ اسی طرح استعارے کی تخلیق ادب کا لازمی عمل ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آدمی اس پر بند باندھ کے اپنی تخلیقی صلاحیت کو محدود کر لے۔ الخ''(۱۰)

حالی استعارے کو مضمون میں حسن اور تاثیر ولطافت پیدا کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ قرار دیتے ہیں جبکہ عسکری استعارے کو معنی کی تخلیق اور انسانی زندگی کا مظہر کہتے ہیں۔ ان کے مطابق اصل زبان استعارے سے کوئی الگ چیز نہیں کیونکہ زبان خود استعارہ ہے۔ اسی بنا پر وہ استعارے کو مردہ اور زندہ دو صورتوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ یہاں دونوں میں اختلاف ہے۔ عسکری نے نظم ونثر میں استعارے کے استعمال کو زندگی کے تجربے سے منسلک کیا اور اسے تخلیق ادب کا ناگزیر عمل قرار دیا ہے۔ دراصل حالی کے 'مقدمہ' میں استعارے کے سیاق وسباق سے جو نکات بیان ہونے سے رہ گئے، عسکری انھی کو استدلال سے زیرِ بحث لائے ہیں۔ کچھ کلام نہیں کہ ان کا مقالہ بہت فکر انگیز ہے مگر حالی کو ہدفِ تنقید بنائے بغیر بھی استعارہ کی معنویت کا توسیعی مطالعہ پیش کیا جا سکتا تھا۔ گو حسن عسکری کے مقالے کا بنیادی مبحث حالی ہی کا نقطۂ نگاہ ہے؛ بایں ہمہ اس میں مبینہ نقطۂ اعتراض ان کے حالی سے فکری اختلاف کو ظاہر کرتا ہے۔

پیرویِ مغربی کا انجام (مشمولہ: ستارہ یا بادبان)

لفافہ دیکھ کر خط کے مضمون کا پتا چل جاتا ہے۔ یہ مضمون نظری اختلاف سے عبارت ہے۔ حسن عسکری نے اس مقالے میں ہندوستان میں نوآبادیاتی بیانیے کے مؤثر نفاذ کے نتیجے میں اردو ادب پر جدید اسالیب، تصورات اور نظریات کے اثرات کا تنقیدی جائزہ مرتب کیا ہے۔ اس جائزے میں حالی خاص طور پر زیرِ بحث آئے ہیں کیونکہ اس مضمون کے مباحث کی اساس حالی کا یہ شعر ہے:

حالیؔ اب آؤ پیرویِ مغربی کریں بس اقتدائے مصحفیؔ و میرؔ ہو چکی

حسن عسکری کا کہنا ہے کہ کبھی یہ شعر تعبیر کے لحاظ سے متنازع رہا؛ مگر حالی کا مبینہ مطلب سمجھنے میں کسی غلط فہمی کی گنجائش نہیں۔ شعر میں حالی نے مغربی ادبیات کے تتبع پر اصرار کیا ہے، جس سے ان کی غرض اردو ادب میں روایت کی جگہ جدت پیدا کر کے اسے عصری تقاضوں کے مطابق کرنا اور انگریزی ادب کے برابر لانا ہے۔ لیکن یہ خیال کم فہمی پر مبنی ہے۔ اس پر عمل سہل نہیں کیونکہ ایک زبان میں کسی دوسری زبان کے ادب کی پیروی، اس کے ثقافتی طرزِ احساس کے قبول کیے بغیر ممکن نہیں اور اس طرزِ احساس کا قبول کرنا مشکل اور دقت طلب عمل ہے۔ اردو ادب میں پیرویِ مغرب کا انجام سودمند ثابت نہیں ہوسکا۔ مشرق و مغرب میں تہذیبی اختلاف ہے اور یہ اختلاف و امتیاز ادبیات میں بھی موجود ہے، لہٰذا حالی سے لے کر حال تک موضوع اور اسالیب کی چند تبدیلیوں کے سوا طرزِ احساس کا کوئی بڑا انقلاب نہیں آسکا، الٹا روایت سے انحراف کے سبب اردو ادب ارتقا پذیر ہونے کی بجائے جمود کا شکار ہوگیا۔ بخلاف ازیں اگر کلاسیکی شاعری کی روایت کا تسلسل ثقافتی طرزِ احساس کے ساتھ جاری رہتا تو بتدریج ادبی ترقی ممکن تھی۔ بیسویں صدی کے عہد بعہد کے اردو ادب کے مطالعے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ہمارے ترقی پسند ادبا مغربی اسالیب اختیار کرتے کرتے مشرقی روایت و معیار سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے ہیں کیونکہ مغربی پیروی اس قدر آسان نہیں، جس قدر انھوں نے سمجھا۔ انھیں ذرا سا بھی اندازہ نہیں کہ یہ کام کوہِ ندا یا حمام بادگرد کی خبر لانے کے برابر ہے۔(۱۱) یعنی پیرویِ مغرب کے چند ناگزیر تقاضے ہیں، جنھیں پورا کیے بغیر یہ ممکن نہیں۔ دوسرا یہ کہ مغربی پیروی اردو ادیب کے لیے کوئی لازم بھی نہیں بلکہ مشرقی روایت و اسلوب کا طرزِ احساس کے ساتھ اختیار کرنا زیادہ ضروری ہے۔ مغربی ادب اپنی تہذیبی روایت اور تقاضوں کا آئینہ دار ہے؛ اسی طرح اردو ادب کو بھی مشرقی تہذیبی روایت اور تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔ عسکری نے اپنے مضمون میں حالی کی اردو شعرا کو پیرویِ مغرب کی تجویز کے تاریخی تناظر میں متنوع توضیحات پیش کی ہیں، جن میں مشرقی و مغربی ثقافت اور اس کے طرزِ احساس کے سیاق و سباق سے جدید ادب کے معیار و مسائل کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

حالیہ مطالعے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عسکری حالی کی نظم و غزل کی تحسین کرتے اور انھیں اچھا شاعر قرار دیتے ہیں لیکن ان کے تنقیدی افکار سے اختلاف رکھتے ہیں۔ حالی ان کے پیش رو ہیں، لہٰذا مطالعہ حالی ان کا ترجیحی موضوع ہے۔ انھوں نے جس تحریر میں بھی حالی کو موضوعِ بحث بنایا، عام روش سے ہٹ کر بنایا ہے کیوں کہ حالی کے متعلق ان کا طرزِ فکر رسمی اور رویہ مقلدانہ نہیں بلکہ مجتہدانہ ہے۔ اسی مجتہدانہ روش کی بدولت عسکری نے لامحالہ حالی کے اثرات قبول کرنے کی بجائے ان کے مقبولِ عام ادبی تصورات کی تغلیط کی ہے۔ حسن عسکری کی تنقید میں حالی کے مباحث کے جائزے سے یہ وضاحت بھی ہوتی ہے کہ حالی اور عسکری دو مختلف

الفکر نقاد ہیں، دونوں کی فکری جہات اور ادبی مزاج الگ الگ ہیں۔ حالی اعتدال پسند جب کہ حسن عسکری سخت گیر تنقید نگار ہیں۔ حالی مشرقی ادب کی جدت و ترقی کے لیے مغربی ادب کو قابلِ تقلید نمونہ مانتے ہیں جب کہ عسکری اسے ثقافتی طرزِ احساس کے وجود سے مشروط کرتے اور مشرقی ادب میں مشرقیت کی بازیافت بھی چاہتے ہیں۔ حالی ادب برائے زندگی کے ترجمان جب کہ حسن عسکری ادب برائے ادب کے قائل ہیں۔ سو نظری لحاظ سے دونوں ناقدین میں یہ نقاط مابہ الامتیاز ہیں، یہی نقاط عسکری کی ’حالیات‘ میں بھی امتیاز کے مظہر ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) سیدعبداللہ،ڈاکٹر، اشاراتِ تنقید،لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۴ء،ص۱۹۹

(۲) اسماعیل پانی پتی،شیخ،تذکرۂ حالی، پانی پت:حالی بک ڈپو،بارِاول۱۹۳۵ء،ص۱۰۰

(۳) حسن عسکری،مناجاتِ بیوہ(مقالہ)،مشمولہ: انسان اور آدمی علی گڑھ:ایجوکیشنل بک ہاؤس،بارِاول۱۹۷۶ء، ص۱۸۰

(۴) حسن عسکری،مناجاتِ بیوہ،مشمولہ:انسان اور آدمی،ص۱۸۱تا۱۸۲

(۵) احتشام حسین،سید،مقدمہ شعروشاعری(مقالہ)مشمولہ:احوال ونقدحالی (مرتبہ حیات خان سیال)لاہور: نذرسنز،۱۹۸۱ء،ص۳۳۲

(۶) حسن عسکری،مقدمہ شعروشاعری(مضمون)،مشمولہ:تخلیقی عمل اوراسلوب ،کراچی:نفیس اکیڈمی،۱۹۸۹ء، ص۲۸۳

(۷) حوالۂ مذکور،ص۲۸۵

(۸) حسن عسکری،بھلامانس غزل گو(مقالہ)،مشمولہ:ستارہ یا بادبان،علی گڑھ:ایجوکیشنل بک ہاؤس،بارِاول۱۹۷۷ء، ص۱۸۴

(۹) حالی،الطاف حسین،مقدمۂ شعروشاعری،دہلی:علمی کتاب خانہ،۱۹۵۳ء،ص۱۶۱

(۱۰) حسن عسکری،استعارے کاخوف(مقالہ)'مشمولہ:ستارہ یابادبان،ص۱۵تا۱۷

(۱۱) ماخوذازپیرویِ مغربی کاانجام(مقالہ)،مشمولہ:ستارہ یابادبان،ص۷۰